Hazara Islamicus, Vol.:09, Issue: 02,July-Dec 2020
PP: 141-162

OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

مثنوی معنوی میں مولانا روم کی عارفانہ تفسیر: نظریہ وحدۃ الوجود کی تفسیرات کا استقرائی مطالعہ

Mystical Exigesis in Mathnavi by Molana Room A deductive study of verses pertaining to "Wahdatul wujood"

Syed Atqia Hashmi
Associate professor,Chairman Department of Islamic and Religious Studies Government Post Graduate College Mansehra

Prof. Dr. Abdul Hameed khan Abbasi
Chairman Department of Quran and Tafseer. Dean faculty of Arabic and Islamic Studies AIOU Islamabad

Abstract

The mystical interpretation of the Holy Qur'an refers to the collection of meanings that descend on the pure hearts of the guided servants of Allah, which are in harmony with the text of the Qur'an. Such interpretive endeavors of Sufi commentators have been accepted by the ummah in every age. The Mystical interpretations of Allama Alusi and Maulana Thanwi in the subcontinent are considered as prominent examples of mystical exegesis. Apart from Tafsir literature, among the Sufi scholars who have penned allusions to mystical interpretation while deducing from the Qur'an and Hadith, Mawlawi Rome is at the forefront.

In the article under review, we have tried to present the commentary on Maulana's theory of Wahdat-ul-Wujud from the Masnavi of Mawlawi Rome, which was bestowed on his pure heart.

Keywords: Mystasism, Quranic Exegesis, Masnavi

قرآن کریم کی عرفانی تفسیر سے مراد اولیاء اللہ کے قلوبِ صافیہ پر اترنے والے جہانِ معانی کا وہ مجموعہ ہے جو نص قرآن کے متبادر معنی (Apparent meaning) سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اہل تحقیق صوفیا مفسرین کی ایسی تفسیری کاوشوں کو ہر دور

CC BY

میں امت میں قبول عام نصیب ہوا ہے، علامہ آلوسی کی روح المعانی اور برصغیر میں مولانا تھانوی کی بیان القرآن اس کی مثالیں ہیں۔ تفسیری ادب کے علاوہ صوفی ادب میں جن محقق صوفیاء کرام نے قرآن و حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے تفسیر عارفانہ و تاویل کے اشارات قلم بند کیے ہیں، ان میں مولائے روم سر فہرست ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں ہم نے مولائے روم کی مثنوی سے ان تفسیری اشارات جو وحدۃالوجود سے متعلق مولانا کے قلب منور پر الہام کیے گئے، انہیں طالبین قرآن کے تدبر کے لیے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثنوی میں نظریہ وحدۃالوجود:

وحدۃالوجود کا مفہوم:

وحدت الوجود کا لغوی معنی ہے: وجود کا ایک ہونا۔ اصطلاحی اعتبار سے یہ ترکیب دو معنوں میں سمجھی گئی ہے اور ان دو استعمالات میں فرق ملحوظ نہ رکھنے کی بناپر یہ مسئلہ انتہائی شدید حساسیت اختیار کرگیا ہے۔ اسی وجہ سے مختلف اسلامی شخصیات شدید متنازعہ قرار پائی ہیں؛ حتی کہ ایک گروہ نے سید الطائفہ اور دوسرے نے کافر تک کہا ہے۔ منصور حلاج کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت　　اب کیا کسی سے عشق کا دعوی کرے کوئی

ابن عربی کو اسی وحدت الوجود کی بناپر گم راہ اور کافر قرار دیا گیا[1] ذیل میں ہم وحدت الوجود کے دو مفہوموں پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں:

> ایک مفہوم وحدت کا یہ بیان کیا گیا ہے: (جس کی نسبت ابن عربی کی طرف کی گئی ہے) کہ دنیا ایک سایہ ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں، یا یہ ایک آئینہ ہے، جس میں موجودات حقیقی نہیں ہوتے، محض نظر آتے ہیں، اس دنیا میں کوئی چیز بھی موجود نہیں، سائے ہیں جو دکھائی دے رہے ہیں۔ اسی مفہوم کی دوسری جہت یہ ہے کہ جو سائے یا پرچھائیاں یا صورتیں ہمیں نظر آرہی ہیں، یہ خالق حقیقی کے محض مظاہر ہیں اور مخلوقات کی شکل میں جو چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، وہ حقیقت حال میں خالق ہے، کوئی جدا چیز نہیں، بلکہ اسی کا مظہر ہے۔

یہ تو ایک مفہوم ہے جو مذکورۃ الصدر شخصیات کو متنازعہ بناتا ہے۔ تاہم وحدت الوجود کے اس مفہوم کو محقق صوفیا نے نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کیا بلکہ مذکورہ شخصیات کی طرف اس مفہوم کی نسبت کو بھی درست نہیں مانا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مفہوم فلسفیوں کے قدیم گروہوں میں نیز وثنی ادیان میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودات تمام کے تمام متحد ہیں اور وہ اتحاد "اللہ" کہلاتا ہے۔ جب کہ اہل اسلام کے ہاں وحدت الوجود کا درست مفہوم وہی ہے جو دینی نصوص سے نکلتا ہے، اس کا ہندوانہ، مشرکانہ ادیان اور وجودی فلسفے سے کوئی تعلق نہیں۔ غلط فہمی اسی لیے پیدا ہوئی کہ دو نظریات کو متداخل سمجھا گیا ہے۔

سید نور اپنی کتاب "التصوف الشرعی الذی یجهله کثیر من مدعیه و منتقدیه" (تصوف شرعی جسے مدعیان و ناقدان تصوف نہیں سمجھ پائے) میں لکھتے ہیں:

" مخصوص اذکار و اشغال میں سالک جب خوب منہمک ہو جاتا ہے بالخصوص نفی اثبات[2] کے اشغال و وظائف کے دوران وہ کبھی ایسی کیفیت سے عارضی طور پر دوچار ہو جاتا ہے، جو نیند کے مشابہ ہوتی ہے، اس مدہوشی میں وہ گویا خواب کی کیفیت میں انوارات ربانی کے متلاطم سمندر میں تیر رہا ہوتا ہے۔ چہار سو ربانی تجلیات اور انوارات کی موجیں اس کو گھیر لیتی ہیں، وہ مشاہدۂ حق میں محو ہو جاتا ہے کہ اگر یہ حالت منامی یا مدہوشی نہ ہوتی تو وہ کبھی اس کا تحمل نہ کرسکتا (جیسے موسی علیہ السلام طور پر تجلیٔ ربانی کے مشاہدہ کے عدم تحمل سے بے ہوش ہو کر گرپڑے تھے) یہ قلبی اور روحانی واردات ایسی ہی ہوتی ہیں، جیسے: نبی اکرم ﷺ نے دیدۂ دل سے رب ذوالجلال کی رؤیت فرمائی تھی۔ غرض نور و تجلی الہی میں غرق وہ محو اور فنا ہو جاتا ہے اور ماسوااللہ ہر چیز کو فنا دیکھتا ہے"۔[3]

اس طرح کی رؤیت کو تمام محققین اسلام نے بیان کیا ہے، مثلا: امام ابن تیمیہ رؤیت باری تعالی کے حوالے سے لکھتے ہیں: مشاہدۂ حق کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ انسانی آنکھ، رب العالمین کو آخرت میں دیکھ پائے گی، دنیا میں کھلی آنکھ مشاہدۂ حق نہیں کرسکتی، البتہ نیند میں یہ رؤیت ہوسکتی ہے۔اسی طرح اپنی اپنی استعداد کے مطابق مشاہدۂ حق نصیب ہوتا رہتا ہے[4]۔

"اب سالک ایسی کیفیت میں محض موجود حقیقی ہی کا دیدار کرتا ہے، اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ اس حقیقت مطلقہ کے علاوہ سب ایسے عارضی اور ناپائیدار ہیں گویا کہ سرے سے ہیں ہی نہیں۔ یہاں عارف یہ نہیں کہتا کہ موجودات سرے سے ہیں ہی نہیں یا خالق و مخلوق ایک ہی وحدت ہیں یا عابد و معبود میں وجود کی وحدت ہے، یہ تو واضح کفریات ہیں کو ہرگز صوفیا کا مذہب نہیں۔ وہ موجودات کے وجود کو مانتے ہیں لیکن وجود حقیقی کے مقابلے میں انہیں وجود نہیں گردانتے گویا چمک دار دن سورج کے وجود میں ستاروں کا معدوم ہو جانا"[5]۔ ابن القیم فرماتے ہیں:

نور معرفت جب عارف کے قلب پر غالب ہو جاتا ہے تو اس سے مشاہدۂ حق کے راستے کے تمام حجابات دور ہو جاتے ہیں، اب وہ بجز وجود باری تعالی کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ یہی وجود کی وحدت ہے۔[6]

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس حالت میں وہ اپنے آپ کو بھی فانی دیکھتا ہے اور حالت سکر میں یا استغراق کی اس کیفیت میں "انا الحق"، "سبحانی"، "مافی الجبۃ الا اللہ" کہہ بیٹھتا ہے۔[7] جس کا مفہوم خدائی کا دعوی کرنا نہیں بلکہ یہ ہوتا ہے کہ چہار سو وجود حقیقی ہے، میں، تو، جہان، سب کچھ، ہر سو، ہر طرف، ایک ہی وجود حقیقی (ماہہ الوجودیت) کی کارفرمائی ہے، جیسے عشق مجازی میں یوں اظہار کیا جاتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جہاں تک وحدت الوجود کے شرعی دلائل کا تعلق ہے تو اس کا استدلال بہت سی نصوص سے کیا جاتا ہے، مثلا: حدیث قدسی ہے:

"ما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضت عليه، وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته: كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، وإن سألني لأعطينه، ولئن استعاذني لأعيذنه"۔[8]

علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اپنی کتاب فیض الباری میں لکھتے ہیں :- (کنت سمعہ الذی) کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان، آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الٰہی کی نافرمانی نہیں کرتے حق الفاظ سے عدول کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (کنت سمعہ الذی) میں کنت صیغۂ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد وصورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی، اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو صوفیائے کرام فنا فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں--- حدیث مذکور (کنت سمعہ) میں وحدت الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے اور ہمارے شاہ عبد العزیز صاحب، محدث دہلوی کے زمانے تک اس مسئلہ وحدت الوجود میں بڑے متشدد اور حریص تھے۔ میں اس کا قائل تو ہوں لیکن متشدد نہیں ہوں[9]

وحدۃالوجود کا استناد جن دیگر شرعی دلائل سے ہوتا ہے، ان کی تعبیر حضرات صوفیا کے نزدیک یوں ہے کہ: بنی نوع انسان جسد اور روح کا مرکب ہے روح کا تعلق عالم علوی اور امر ربی سے ہے﴿ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ﴾[10] اس لیے ارواح قدسیہ اپنے وطن حقیقی کی طرف مراجعت کرنا چاہتی ہیں اور اپنے خالق کی ذات حقیقی کی کشش انہیں اس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے کہ وہ بے قرار ہو کر اس کی تجلیات میں گم ہونا چاہتی ہے جیسے قطرہ ندی میں ندی دریا میں اور دریا سمندر میں مل کر اپنی ہستی کو نیستی میں بدل کر امر ہونا چاہتا ہے۔

وحدۃالشھود:

وحدۃالوجود کی سادہ اور آسان تعریف کریں تو اس سے مراد "ایک ہو جانا" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی میں گم ہو جانا۔اور وحدۃالشہود سے مراد "ایک دیکھنا ہے" یعنی چاروں طرف" تو ہی تو" ہے والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ سالک ہر چیز میں جلوہ باری تعالیٰ دیکھا ہے۔ وحدۃالوجود کی خصوصیت یہ ہے کہ توحید الٰہی کے غلبہ، سرور اور کیفت کے دوران میں سالک وجدانی طور پر ذات الٰہی میں ایسا محو و مستغرق ہوتا ہے کہ وجود باری کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ سالک کے قلب وذہن سے ماسوا اللہ یکسر دور ہو جاتے ہیں اور صرف وجود حق کا ادراک واحساس ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اس کیفیت میں سالک کا نعرہ ہوتا ہے۔ "ہمہ اُوست"۔ اس کیفیت کو لوائح جامی میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ہمسایہ وہم نشین ویمرہ ہمہ اوست — در دلق گدا واطلس شاہ ہمہ اوست
در انجمن فرق ونہاں خانہ جمع — با للہ ہمہ اوست ، باللہ ہمہ اوست

بر صغیر کے تناظر میں وحدۃالوجود کو بنیاد بنا کر ہندوانہ تعلیمات کی آڑ میں میں آواگون، تناسخ اور حلول کے مشرکانہ عقائد کو تصوف کے پاکیزہ علم میں داخل کر دیا گیا۔ اور اس طرح گمراہی پھیلانا شروع کر دی۔ ہر کس ناکس دعویٰ کرنے لگا کہ عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے۔ زمین وآسمان، شجر و حجر، نباتات وجمادات غرضیکہ سب کچھ خدا ہی ہے۔ ایسے میں "ہند میں سرمایا ملت کے نگہبان" حضرت مجدد والف ثانی نے عوام کے عقیدہ کے تحفظ کے لیے نظریہ وحدۃالشھود پیش کیا۔ حضرت مجدد والف ثانی نے فرمایا:

ترجمہ: ایک توحید شہودی اور دوسری توحید وجودی۔ توحید شہودی، ایک دیکھنا، ہے یعنی ایک کے سوا سالک کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اور توحید وجودی ایک کو موجود جاننا اور اسی کے غیر کو نابود سمجھنا اور غیر کو معلوم جاننے کے باوجود اسے ایک مظہر اور جلوہ خیال کرنا ہے۔ پس توحید وجودی علم الیقین کی قسم ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے ہے۔[11]

حقیقت یہ ہے کہ نظریہ وحدۃالوجود کسی نہ کسی رنگ میں زمانہ قدیم سے موجود رہا ہے۔ البتہ اس کو پوری شرح و بسط کے ساتھ حضرت علامہ ابن عربی نے پیش کیا۔ جب یہ نظریہ عوام میں متعارف ہوا تو اس سے جو گمراہی پھیلی اس کا تدارک کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃالشہود کا نظریہ پیش کیا۔

آئندہ صفحات میں نظریہ وحدۃالوجود سے متعلق مثنوی معنوی کے چھبیس ہزار سے زائد اشعار میں سے مولائے روم کے بیان کردہ استدلالات اور تفسیرات کا استقرائی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

قول باری ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (12)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کروگے وہیں اللہ کا رخ ہے بے شک اللہ بہت وسعت والا بڑا علم رکھنے والا ہے۔

چونکہ یوسف سوئے او می ننگرید	خانہ را پر نقش خود کرد آں مکید
تا بہر سو کاں نگرد آں خوش عذار	روئے اُو را بیند اُو بے اختیار
بحر دیدہ روشناں یزدانِ فرد	شش جہت را مظہرِ آیات کرد
تا بہر حیوان و نامی کانگرند	از ریاض حسنِ ربانی چرند
بہرِ ایں فرمود باآں اِسپہ اُو	حَيْثُ وَلَّيْتُمْ فَثَمَّ وَجْهُه
از قدح گر در عطش آبے خورند	در درونِ آب، حق را ناظر اند
آنکہ عاشق نیست اُو در آبِ دَر	صورتِ خود بیند اے صاحب نظر
صورتِ عاشق چو فانی شد درو	پس در آب اکنوں کرا بیند بگو
حسنِ حق بینند اندر روئے حور	ہمچو مہ در آب از صنعِ غیور (13)

چونکہ یوسف علیہ السلام زلیخا کی خواہش کے باوجود اس کی جانب نہ دیکھتے تھے اس لیے اس ماکرۃ نے گھر میں ہر جانب اپنی تصاویر آویزاں کردیں۔ تاکہ وہ ضرور اس کی جانب بے اختیار دیکھ لیں۔

اس مثال کے بعد مولانا روم دائرہ کلام کو وسعت دیتے ہوئے گویا ہیں کہ دیدہ وروں کے لیے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ نے بھی شش جہات کو مظہرِ آیات کردیا ہے۔ تاکہ جو بھی حیوانِ نامی دکھائی دے حسنِ ربانی کا پتہ دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ﴾ اللہ کے لیے ہے مشرق و مغرب جدھر بھی دیکھو گے اسی کا چہرہ دکھائی پڑے گا۔

دیکھنے والا پیالے میں پانی پیتے ہوئے بھی حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے، ہاں جو عاشق حق نہیں وہ اپنا چہرہ پانی میں دیکھے گا۔ اور عاشق جو معشوق میں فنا ہوچکا ہوتا ہے تو ہی بتا وہ پانی میں کسے دیکھے گا۔

عشاقِ حق، حور کے حسن میں بھی حسنِ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ جیسے پانی میں کوئی چاند کو دیکھتا ہو۔

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝﴾ [14]

ترجمہ: [اے مسلمانو! کہہ دو کہ:] "ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں"۔

پہلی تفسیر:

نورِ غالب ایمن از کسف و غسق	در میانِ اِصْبَعَیْنِ نورِ حق
حق فشاند آں نور را بر جانہا	مقبلاں بر داشتہ دامانہا
واں نثارِ نور ہر کو یافتہ	روئے از غیرِ خدا بر تافتہ
ہر کرا دامانِ عشقے نابُدہ	زان نُثارِ نور بے بہرہ شدہ
جزو ہا را رو یہا سوئے کل ست	بُلبلاں را عشق با روئے گُل ست
گاؤ را رنگ از بروں و مرد را	از دروں جُو رنگ سرخ و زرد را
رنگہائے نیک از خُمِ صفاست	رنگ زشتاں از سیاہ آبہ جفاست
صِبغۃ اللہ نامِ آں رنگِ لطیف	لعنۃُ اللہ بوئے ایں رنگِ کثیف
آنچہ از دریا بدریا می رود	از ھماں جاکاید آنجا می رود
از سَرِ کُہ سیلہائے تیز رو	وز تنِ ما جانِ عشق آمیز رَو [15]

اس مقام پر اشعارِ مثنوی کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ:

رنگ و نورِ حق، نورِ غالب ہے جو گہنا جانے سے بلند و برتر ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے نور کو ارواح پر نچھاور فرمایا اصحابِ عشق نے اپنے دامن اس نور سے بھر لیے اور جس نے اس نور کا چھینٹا پالیا اس نے حق تعالیٰ کے غیر سے رخ پھیر لیا جس کے پاس دامانِ عشق نہ تھا وہ اس نور سے محروم رہا۔ بلبلوں کو گل کے چہرے سے عشق ہے، اجزاء کے رخ کل کی جانب مائل ہیں۔ گائے کا رنگ باہر سے اور انسان کا رنگ اندر سے ڈھونڈ یعنی زرد و سرخ رنگ۔ نیکوکاروں کے رنگ صفا کے خُم ہیں اور بدکاروں کے رنگ کالے اور میلے ہیں۔ رنگِ صفا دراصل صبغۃ اللہ [اللہ کا رنگ] ہے اور رنگ سیاہ دراصل لعنۃُ اللہ [اللہ کی لعنت] ہے۔ جو پانی سمندر سے اٹھتا ہے بادل بنتا، دریا میں بہتا اور واپس سمندر ہی کی نذر ہو جاتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے تیز رو سیلاب اور ہمارے جسم سے عشق میں ڈوبی ہوئی جان (روح) رواں دواں ہوتی ہے۔

دوسری تفسیر:

نانِ مردہ چوں حریفِ جاں شَوَد	زندہ گردد نان عین آں شود
ہیزُمِ تیرہ حریف نار شُد	تیرگی رفت و ہمہ انوار شُد
در نمکسار اَر خرِ مُردہ فتاد	آں خریّ و مُردگی یکسُو نہاد
صِبغۃ اللہ ہست رنگِ خُمّ ہُو	پیسہا یکرنگ گردد اندرُو

چوں دراں خُم اُفتد و گوئیش قُم — از طرف گوید منم خُم لا تُلم
آں منم خُم خود انا الحق گفتن ست — رنگِ آتش دارد الّا آہن ست
رنگِ آہن محو رنگِ آتش ست — ز آتشی می لافد و خامُش وش ست
چوں بسرخی گشت ہمچوں زرِّ کاں — پس انا النّار ست لافش بے زباں
شد ز رنگ و طبعِ آتش محتشم — گوید اُو من آتشم من آتشم
آتشم من گرترا شک ست و ظن — آز موں کُن دست را بر من بزن
آتشم من بر تو گر شُد مشتبہ — روئے خود بر روئے من یکدم بنہ
آدمی چوں نور گیرد از خدا — ہست مسجودِ ملائک زاجتَبا
نیز مسجودِ کسے کو چوں ملک — رستہ باشد جانش از طغیان و شک
آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند — ریشِ تشبیہ مشبّہ بر مخند [16]

یہاں کلامِ رومی کا ماحصل یہ ہے کہ:

نانِ مردہ جب جسدِ زندہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو عینِ جسد ہو کر زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی تاریک ایندھن جب آگ سے ہم آغوش ہو جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور آگ کا حصہ بن کر روشن اور روشنی فراہم کرنے والا ہو جاتا ہے۔ نمک کی کان میں خرِ مردار بھی نمک بن جاتا ہے۔

صبغة الله (اللہ کا رنگ) اللہ کا خُم ہے، اس خم میں کئی رنگوں والا جائے گا تو ایک رنگ [اللہ کے رنگ] والا ہو جائے گا اور کبھی کبھی تو اس پر اللہ کا رنگ اتنا غالب ہو جائے گا کہ انا الحق پکار اٹھے گا۔[17] جیسے آگ کی بھٹی میں جا کر لوہا آتش رنگ ہو جائے تو مجسم آگ اور انگارہ دکھائی دیتا ہے اور بزبانِ حال پکار اٹھے کہ "میں آگ ہوں" کسی کو شبہ ہے تو اپنا ہاتھ میرے اوپر رکھ دے۔ آدمی جب حق تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تو مسجودِ ملائک ہو جاتا ہے۔

آخر میں مولائے روم اپنے آپ سے مخاطب ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آگ کہاں اور لوہا کہاں، خالقِ حقیقی کہاں اور مخلوقِ فانی کہاں۔ اس بارے میں کلام میں احتیاط سے کام لو اور خاموش ہو جاؤ یعنی خالق و مخلوق میں تشبیہ حقیقی و کلی نہیں بلکہ جزوی اور محض بات سمجھانے کی غرض سے ہے۔

قول باری تعالی ہے: ﴿وَحَيۡثُ مَا كُنتُمۡ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ شَطۡرَهُۥ﴾ [18]

ترجمہ: اور [آئندہ] جہاں کہیں تم ہو اپنے چہروں کا رخ [نماز پڑھتے ہوئے] اُسی کی طرف رکھا کرو۔

جملہ مُرغانِ مُنازِع بازوار — بشنوید این طبل بازِ شہریار
زاختلافِ خویش سوئے اتحاد — ہیں زہر جانب رواں گردید شاد
حَيۡثُ مَا كُنتُمۡ فَوَلُّوا وَجۡهَكُمۡ — نَحۡوَہ هَذَا الَّذِيۡ لَمۡ يَنۡهَكُمۡ [19]

پالتو باز کو شکار سے واپس بلانے کے لیے نقارہ بجایا جاتا ہے، نقارے کی آواز سن کر باز شکار و لڑائی ترک کر کے واپس آ جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میری صدا کو باز کو واپس بلانے والا نقارہ سمجھو اور اے لڑائی جھگڑے میں مصروف پرندو واپس آ جاؤ۔

یعنی اے بھٹکے ہوئے انسانو! جو دنیا پر شکاری پرندوں کی طرح جھپٹ رہے ہو واپس آؤ اور میرے گرد حلقہ بناؤ کہ میں تمہیں اتحاد کا درس دوں، سنو اپنی اپنی رائے چھوڑ دو اور تم اپنی آراء میں جس مقام پر بھی ہو اس سے رجوع کر لو اور ﴿ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ (تم جہاں کہیں بھی ہو اس قبلہ واحد کی جانب رخ کر لو) کے اندر موجود اشارے کو سمجھ جاؤ، اپنی اپنی علیحدہ رائے ترک کر دو اور حق تعالیٰ کی جانب سبھی اپنا رخ موڑ دو صرف اسی طریقے سے تم میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔اور تم فلاح دارین حاصل کر سکتے ہو۔یعنی سب کو اپنی توجہات کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ کو بنانا چاہیے کیونکہ اتحاد کے لیے کسی ایک طرف توجہ کرنا لازم ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (20)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقین جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔

مثنوی میں مولانا نے درج ذیل عنوان کے تحت اشعار ذکر کیے ہیں:

ترجمہ عنوان: ایک ہی چیز کے بارے میں اقرار اور انکار کا جمع ہونا اور نہ ہونا جہت اور نسبت کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔

نفی آں یک چیز و اثباتش رواست — چوں جہت شد مختلف نسبت دو تاست
مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ از نسبت است — نفی و اثبات ست ہر دو مثبت است
آں تو افگندی چوں بر دستِ تو بود — تو نیفگندی کہ قوتِ حق نمود
زورِ آدم زادہ را حدّے بود — مشتِ خاک اشکستِ لشکرے شوَد
مُشت مُشتِ تُست و افگندن زماست — زیں دو نسبت نفی و اثباتش رواست
يَعْرِفُونَ الاَنْبِيَاء أَضْدَادَهُم — مِثْلَ مَا لَا يَشْتَبِهُ اَوْلَادَهُمْ
ہمچوں فرزندانِ خود دانند شاں — منکراں با صد دلیل و صد نشاں
لیک از رشک و حسد پنہاں کُنند — خویشتن را بر اندانم می زنند
پس چو یعرف گفت چوں جائے دِگر — گفت لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ، فَذَرْ
إِنَّهُمْ تَحْتَ قَبَائِي كَامِنُون — جُز کہ یزداں شان نداند ز آزموں
ہم بنسبت گیر ایں مفتوح را — کہ بدانی و ندانی نوح را
زیں نمط بسیار آمد در خبر — کاں بہ نسبت باشد اے جاں معتبر (21)

مولائے روم فرما رہے ہیں:

ایک ہی شئے کی نفی اور اثبات ممکن ہے بشرطیکہ نسبت بدل جائے جیسے ﴿ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (نہیں پھینکا تو نے جب تو نے پھینکا لیکن دراصل اللہ تعالیٰ نے پھینکا) یعنی غزوہ بدر میں جو مٹھی بھر مٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی جانب پھینکی اور ان کی بینائی کو متاثر کر گئی جس سے ان کی شکست کے اسباب پیدا ہو گئے تو ﴿ اِذْ رَمَيْتَ ﴾ (جب تو نے پھینکا)

اثبات بھی صحیح ہے کہ عملاً ایسا ہوا کہ آپ علیہ السلام کے دست اقدس سے یہ فعل سرزد ہوا اور ﴿ مَا رَمَيْتَ ﴾ (تونے نہیں پھینکا) کی نفی بھی درست ہے کہ تاثیرِ رمی اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اور حق تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے وہ پھینکا جانا کفار پر اثر انداز ہوا، یعنی نسبت بدل جائے تو ایک ہی چیز کی نفی اور اثبات ایک ساتھ درست قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

رومی حدیث قدسی ذکر کرتے ہیں کہ "اولیاء اللہ میرے دامن میں چھپے ہوئے ہیں ان کو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا" دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، جہت و نسبت بدل جانے سے دونوں اقوال میں تضاد ختم ہو جاتا ہے اور ایسا بہت دفعہ وارد ہوا ہے جیسے تو نوح علیہ السلام کو جانتا بھی ہے اور نہیں بھی جانتا۔ اور فنا و بقا کا مسئلہ بھی ایسے ہی ہے جسم کے اعتبار سے انسان فانی اور روح کے اعتبار سے باقی ہے"۔

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ﴾[22]

ترجمہ: طلاق [زیادہ سے زیادہ] دو بار ہونی چاہیے۔ اس کے بعد [شوہر کے لیے دو ہی راستے ہیں] یا تو قاعدے کے مطابق [بیوی] کو روک رکھے [یعنی طلاق سے رجوع کرلے] یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے۔

شُوی وزن را گفتہ شُد بہرِ مثیل | کہ مکن اے شوی زن را بد گسیل
آں شب گردک نہ ینگا دستِ اُو | خوش امانت داد اندر دستِ شُو
کانچہ با اُو تو کُنی اے معتمد | از بد و نیکی، خدا با تو کند
ایں زنِ دنیا کہ ہست او مست تو | حق امانت دادش اندر دستِ تُو[23]

خاوند اور بیوی کا تذکرہ مثال کے طور پر سمجھو جب شبِ زفاف میں دلہن سجانے والی بیوی کا ہاتھ خاوند کے ہاتھ میں دے کر کہتی ہے کہ اے قابلِ اعتماد، تو جو اچھا یا برا اس کے ساتھ کرے گا، اللہ تیرے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا، ایسے ہی زنِ دنیا کا حال ہے کہ یہ بھی تمہارے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے اور اس [دنیا] کے بھی تم پر حقوق ہیں۔ اور جیسا سلوک تم دنیا و اہل دنیا کے ساتھ کروگے، ایسا ہی سلوک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی روا رکھیں گے جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ " الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، وَأَحَبُّ عِبَادِ اللهِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ "[24] [مخلوق، اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کی پسندیدہ ترین مخلوق وہ ہے جو اُس کے عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے]

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾[25]

ترجمہ: اور [اس وقت کا تذکرہ سنو] جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: "کیا تمہیں یقین نہیں؟" کہنے لگے: "یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر [یہ خواہش اس لیے کی ہے] تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔ اللہ نے کہا: "اچھا تو چار پرندے لو اور انہیں اپنے سے مانوس کرلو، پھر [ان کو ذبح کرکے] ان کا ایک ایک

حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان رکھ کہ اللہ پوری طرح صاحب اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی"۔

رومی فرماتے ہیں:

چار وصف ست ایں بشر را دل فشار   چار میخ عقل گشتہ ایں چہار
تو خلیلِ وقتی اے خورشیدِ ھُش   ایں چہار اطیارِ رَھزن را بکُش
زانکہ ہر مرغے ازینہا زاغ وش   ہست عقل عاقلاں را دیدہ کَش
چار وصف تن چو مرغانِ خلیل   بسمل ایشاں دہد جاں را سبیل
اے خلیل اندر خلاصِ نیک وبد   سر ببر شاں تا رہد پاہا زِ سَد
کُل توئی وجُملہ گاں اجزائے تو   بر کشا کہ ہست پاشاں پائے تو
از تو عالم روح زارے می شود   پشت صد لشکر سوارے می شود
زانکہ ایں تن شُد مقامِ چار خُو   نامِ شاں شُد چار مرغ فتنہ جُو
خَلق را گر زندگی خواہی ابد   سر ببر ایں چار مرغِ شُوم وبَد
باز شاں زندہ کُن از نوعِ دگر   کہ نباشد بعد ازاں زیشاں ضرر
چار مرغ معنوی راہ زن   کردہ اند اندر دلِ خَلقاں وطن
چوں امیرِ جُملہ دلہا شوی   اندریں دوراں خلیفہ حق توئی
سر ببر ایں چار مرغ زندہ را   سرمدی کن خلقِ ناپائیدہ را
بطّ وطاؤس ست، زاغ ست وخروس   ایں مثالِ چار مرغ اندر نفوس
بط حرص است وخروس آں شہوت ست   جاہ چوں طاؤس وزاغ آں مُنیت ست
مُنیتش آں کہ بُوَد اُمّید سَاز   طامعِ تابید یا عُمرِ دراز
بطّ حرص آمد کہ نُولش دَر زمیں   در ترو در خشک می جوید دفیں
یکْ زماں نبود مُعطّل آں گُلو   نشنود از حکم جُزو امرِ "کُلوا"
ہمچو یغماچی کہ خانہ می کند   زود زود انبانِ خود پُر می کند
اندر انباں می فشارد نیک وبد   دانہائے دُرّ وحبّاتِ نخود
زانکہ شیطانش بتر ساند زِ فقر   بار گیرِ صبر را بکُشد بَعَقر
از نُبے بشنو کہ شیطان در وعید   میکند تہدیدت از فقرِ شدید
تا خوری زشت وبَری زشت از شتاب   نے مُروّت نے تانّی نے ثواب
لاجرم کافر خورد دَر ہفت بطن   دین ودل باریکْ ولاغر، زفت بطن[26]

اس آیت میں مفسرین اس امر پر متفق ہیں کہ اس کا موضوعِ بحث "بعث بعد الموت" ہے۔ ظاہر ہے کہ اس امر سے

اختلاف مولانا روم کو بھی نہیں ہو سکتا لیکن وہ اس میں ایک دقیق اشاری تفسیر بھی بیان فرماتے ہیں جو زیر نظر اشعار مثنوی سے یوں سمجھ میں آتی ہے کہ

یہ چار پرند دراصل اے انسان تیرے اندر کی چار ایسی خصلتیں ہیں جو تیرے لیے دل فشار اور عقل کش ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر زاغ صفت پرندہ [ہر بری خصلت] عاقلوں کی عقل کی آنکھ نکال لینے والا ہوتا ہے۔

جسمِ انسانی کے یہ چار اوصاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کی طرح ہیں۔ ان کو ذبح [قربان] کرنا انسانوں کے لیے انسانیت کی راہ ہموار کرتا ہے۔

اے خلیلِ دوراں [خلیل وقت] نیک و بد کی خلاصی کے لیے اور پاؤں کو بندشوں سے آزاد کرنے کے لیے [جو بندشیں ان صفاتِ بد کی وجہ سے قائم ہیں] ان چاروں اوصافِ بد کا سر قلم کر دے۔ کیونکہ یہ جسدِ انسانی ان چار اوصافِ بد کا مقام ہے، علامتی طور پر ان کو چار پرندوں کے طور پر سمجھو جن میں سے ایک بطخ [علامتِ حرص] دوسرا مرغا [علامتِ شہوت] تیسرا طاؤس [مور جو علامت جاہ ورتبہ ہے) اور چوتھا زاغ [کوا] ہے جو کہ علامتِ آرزوئے نفس ہے۔

اے مخاطب اگر آپ حیاتِ معنوی کے خواہاں ہیں تو ان چار مرغانِ منحوس وبد کے سر قلم کر دیجیے یعنی حرص، شہوت، حبِ جاہ ورتبہ اور آرزوہائے نفسانی کو اولاً بالکل فنا کر دیجیے۔ ان باطنی ڈاکوؤں [اوصاف بد] نے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا ہوا ہے زمانے میں اللہ کا خلیفہ بننے کے واسطے انہیں دلوں سے نکالنا ہوگا۔

آرزوئے نفس کا کوّا، لالچ اور طویل عمری کی آرزوؤں کو پالتا ہے۔ بطِ حرص [حرص کی بطخ] کی چونچ ہر وقت تری و خشکی میں خزانے ڈھونڈتی ہے۔ اس کا حلق تھوڑی دیر کو بھی معطل نہیں ہوتا، احکامات میں سے "کلوا" [کھاؤ] کے حکم کے علاوہ کوئی حکم تسلیم نہیں کرتی اس لٹیرے کی طرح جو ہر رطب ویابس اپنے تھیلے میں بغیر جانچے بھرتا رہتا ہے، اسے اپنے بادشاہ، خالق ورازق پر بھروسہ نہیں ہوتا، جبکہ بندہ مومن کو اپنے رازق وخالق پر مکمل اعتماد ہوتا ہے کہ وہ اسے محروم نہیں کرے گا، اس نے بادشاہ کے انصاف کو پرکھا ہوا ہوتا ہے اسی لیے وہ صابر وسیر چشم ہوتا ہے۔ اس کی آہستگی واطمینان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اس کے بالعکس تیزی وبے اطمینانی افعالِ شیطان میں سے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۸ ﴾ (27)

ترجمہ: شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جانے والا ہے۔

اس ضمن کے آخری شعر میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ "کافر سات پیٹ کا کھانا کھاتا ہے" (28) جس کے نتیجے میں اس کا دل لاغر اور پیٹ بھاری ہوتا ہے۔

قول باری تعالی ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱ ﴾ (29)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اُگائے [اور] ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے [ثواب میں] کئی

گنا اضافہ کردیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا [اور] بڑے علم والا ہے۔

پہلی تفسیر:

صد نشاں باشد دروں ایثار را — صد علامت ہست نیکوکار را
مال در ایثار اگر گردد تلف — در دروں صد زندگی آید خلف
در زمینِ حق زراعت کردنی — تخمہائے پاک وانگہ دخل نی
گر نگردد زرع جاں یک دانہ صد — صحنِ اَرْضُ اللہ واسِعْ کے بود
اصلِ اَرْضُ اللہ قَلبِ عَارِف ست — لامکان ست وندارد فوق وپست
گر نہ روید خوشہ از روضاتِ ہو — پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو
چونکہ ایں ارضِ فنا بے ریع نیست — چوں بود ارض اللہ آں مستوسعے ست
ریع آں را نے حَد و نے عَد بُوَد — کمتریں دانہ دہد ہفصد بُود[30]

ایثار کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ میں اگر مال ختم بھی ہو جائے تب بھی اس کے بدلے میں سینکڑوں زندگیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے اور وہ یوں کہ ارض اللہ کی اصل عارف کا قلب ہے جو لامکانی ہے اور وسیع و عریض بھی، یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں زراعت کی جائے اور کھیتی کرنے والا پیداوار سے محروم ہو۔ اگر جان و دل کی کھیتی میں ایک دانہ سو دانے نہ بن جائیں تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین یعنی قلبِ بندہ مومن اس زمینِ فانی سے کہیں زیادہ وسیع اور کثیر الفوائد ہے، اس کی پیداوار کی حدود و شمار نہیں ہے معمولی دانہ بھی بوؤ گے تو سات سو دانے پالو گے۔

دوسری تفسیر:

ایں زمین و سختیاں پردہ است و بس — اصل روزی از خدا داں ہر نفس
چوں بکاری در زمینِ اصلِ کار — تا بروید ہر یکے را صد ہزار
گیرم اکنوں تخم را گر کاشتی — در زمینے کش سبب پنداشتی
چوں دو سہ سال آں نروید چوں کنی — جز کہ در لابہ و دعا کف بر زنی
دست بر سر میزنی پیشِ اِلٰہ — دست و سر بر دادن رزقش گواہ
تا بدانی اصل اصلِ رزق اوست — تا ہم او را جوید آں کو رزق جوست
رزق از وے جو مجو از زید و عمر — مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر
چوں یَفِرُّ الْمَرْءُ آید مِنْ أَخِیْہِ — یَھْرَبُ الْمَوْلُوْدُ یَوْماً مِنْ أَبِیْہِ[31]

پیداوار کے لحاظ سے یہ زمین محض پردہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اصل روزی ہے اس لیے اے انسان جب تو بوئے تو اصل زمین [روح و قلب کی دنیا کی زمین] میں زراعت کر۔ غور و فکر کرو کہ اگر اس زمینِ فانی [مٹی] میں تو بوئے اور دو تین سال

بارش نہ ہو۔ تو نتیجتاً پیداوار نہیں ہوسکے گی تب تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گا اور باری تعالیٰ کی درگاہ پر سر رکھ دے گا۔ تو سمجھ لو کہ دراصل رزق کی جڑ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ جو بھی رزق چاہتے ہو اللہ تعالیٰ سے طلب کرو زید و عمر سے نہ طلب کرو۔ خوشحالی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو نہ کہ خزانے اور مال سے نصرت اسی سے چاہو نہ کہ رشتہ داروں سے اور غور کرو اس آیتِ کریمہ میں بھی کہ ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ﴾ ترجمہ: [جب فرار ہوگا، آدمی اپنے بھائی سے اور ماں سے اور باپ سے] والد، بھائی اور ماں یا دیگر رشتہ دار بھی مصائب دنیا میں فرار اختیار کر سکتے ہیں اور حقیقی توکل حق تعالیٰ پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (32)

ترجمہ: [وہ کہتے ہیں کہ] ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے [کہ کسی پر ایمان لائیں کسی پر نہ لائیں]۔

ده چراغ ار حاضر آری در مکان — ہر یکے باشد بصورت غیر آں
فرق نتواں کرد نور ہر یکے — چوں بنورش روئے آری بیشکے
أَطْلُبْ الْمَعْنَى مِنَ الْفُرْقَانْ وَقُلْ — لَا نُفَرِّقْ بَيْنَ آحَادِ الرُّسُلْ
گر تو صد سیب و صد آبی بشمری — صد نماید یک شود چوں بفشری
در معانی قسمت و اعداد نیست — در معانی تجزیہ و افراد نیست
اتحاد یار با یاراں خوش ست — پائے معنی گیر صورت سرکش ست
صورتِ سرکش گدازاں کن برنج — تا بہ بینی زیر آں وحدت چو گنج
ور تو نگدازی عنایت ہائے اُو — ہم گدازد اے دلم مولائے اُو
اُو نماید ہم بدلہا خویش را — اُو بدوزد خرقۂ درویش را
منبسط بودیم ویک گوہر ہمہ — بے سر و بے پا بدیم آں سر ہمہ
یک گہر بودیم ہمچوں آفتاب — بے کدر بودیم و صافی ہمچو آب
چون بصورت آمد آں نورِ سرہ — شد عدد چوں سایہ ہائے کنگرہ
کنگرہ ویراں کنید از منجنیق — تا رَود فرق از میانِ ایں فریق (33)

رومی فرماتے ہیں:

دس چراغوں کو ایک جگہ رکھ دو چراغوں کی صورتیں جدا جدا ہوں گی لیکن ان کے نور میں وحدت ہوگی۔ سو سیب دیکھنے میں جدا ہوں گے لیکن ان کا رس اور نچوڑ نکال دو تو وہ ایک ہوگا۔

اجزاء اور اکائیاں معانی نہیں ہیں اور معانی میں تقسیم اور تعدد نہیں پایا جاتا۔ معنی کا اعتبار کرو اجزاء کا نہیں۔ اجزا تو محض ظاہر ہیں اور ظاہر پر اعتبار تو سرکشی ہے۔ سرکش ظاہر کو ریاضت سے پگھلا دو تاکہ اس کے نیچے خزانے کی صورت میں وحدت کو دیکھ سکو۔

غور کرو کہ ہم سب بسیط اور سورج کی طرح ایک جوہر تھے ہم میں گدلا پن نہ تھا اور ہم پانی کی طرح شفاف تھے۔ جب

اس خالص نور [نورِ باری تعالیٰ] نے صورت اختیار کرلی تو کنگرہ کے سایوں کی طرح متعدد ہو گئے۔ اے تفرقوں میں بٹے ہوئے لوگو! منجنیق لے کر اس کنگرہ کو ڈھا دو تاکہ تفریق مٹ جائے اور غور کرو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے کہ ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ [ہم رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے]

قول باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ۝۳۵ ﴾[34]

ترجمہ: اللہ تمام آسمان اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو چراغ ایک شیشے میں ہو شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہوا! وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی، ایسا لگتا ہو کہ اس کا تیل خود ہی روشنی دے دیگا، چاہے اسے آگ بھی نہ لگے، نور بالائے نور! اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کے فائدے کے لئے تمثیلیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

از کمالِ قدرت ابدانِ رجال　　یافت اندر نور بے چوں احتمال
آنچہ طورش بر نتابد ذرّۂ　　قدرتش جا سازد از قارورۂ
آنچہ طورش بر نتابد اے کیا　　قدرتش اندر رُجاجے ساخت جا
گشت مشکوٰۃ زجاجی جائِ نور　　کہ ہمیں درّد زِ نور آں قاف و طور
جسمِ شان مشکوٰۃ داں دلشاں زجاج　　تافتہ بر عرش وافلاک ایں سِراج
در دل مومن بگنجیدم چو ضیف　　بے ز چون و بے چگونہ بے ز کیف[35]

مولائے روم نے مذکورہ صدر آیت کریمہ کی خوبصورت اشاری تفسیر ان اشعار میں یوں بیان فرمائی ہے کہ بندۂ مومن کے جسم کی مثال طاقچہ کی سی ہے جس کے اندر زجاج [شیشہ] رکھا ہوا ہے اور وہ زجاج قلبِ مومن ہے، پھر اس زجاج کے اندر پرنور چراغ ہے اور یہ پرنور چراغ خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ " میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں سما جاتا ہوں"

پھر فرماتے ہیں کہ نور حق تعالیٰ بندۂ مومن کے قلب میں جا گزیں ہو جاتا ہے، اور یوں بندۂ مومن کی حیثیت کائناتی ہو جاتی ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات بندۂ مومن کے ذریعہ سے روشن ہے اور بندۂ مومن ایسا چراغ ہے جو عرش اور آسمان پر روشن ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸ ﴾[36]

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اسکی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

کلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ جُز وجہِ اُو — چوں نہٗ در وجہِ اُو ہستی مجو
ہر کہ اندر وجہِ ما باشد فنا — کلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ نبود جزا
زانکہ از الاست اُو از لا گذشت — ہر کہ در الاست اُو فانی نگشت
ہر کہ بر دَرِ اُو من و مامی زند — ردِّ باب ست اُو و بر لامی تند [37]

ہر شئے ہلاک ہونے والی ہے سوائے ذات باری تعالیٰ کے، مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تو اس کی ذات میں سما جائے گا یعنی فنا فی اللہ ہو جائے گا تو لفظ استثنا [الا] کے بعد مقیم ہو جائے گا اور الا کے بعد مقام ہلاکت نہیں ہے سو حیات جاودانی حاصل کر لے گا اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ الا سے قبل یعنی ذات باری تعالیٰ سے ہٹ کر زندگی و ہستی کرلے گا تو یہ اس کی بھول ہے۔ گویا کہ

ع: فنا فی اللہ کہ تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے

اور بقول رومی: "ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرہ کے اگر تم اس کے چہرے میں نہیں ہو، تو ہستی نہ ڈھونڈو"۔

قول باری تعالی ہے:

﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹ ... وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲﴾[38]

ترجمہ: اور کچھ نہیں، بس ایک زور کی آواز ہوگی جس کے بعد یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دئے جائیں گے اور یہ جتنے لوگ ہیں ان سبھی کو اکٹھا کر کے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

زید را اکنوں نیابی کو گریخت — جست از صفِّ نعال و نعل ریخت
تو کہ باشی زید ہم خود را نیافت — ہمچو اختر کہ بروخورشید تافت
نے ازو نقشے بیابی نے نشاں — نے کہے یابی براہِ کہکشاں
شد حواس و نطق بے پایانِ ما — محو نور دانش سلطانِ ما
حسہا و عقلہا شاں در درون — موج در موج لدینا محضرون [39]

ان اشعار میں مولائے روم فنا فی اللہ کو تمثیلاً بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی اللہ کا ولی ذات باری تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسے ہو جاتی ہے کہ جیسے طرح طرح کی کہکشائیں اور ستاروں کے جھرمٹ رات میں اپنی انفرادیت دکھا رہے ہوتے ہیں لیکن صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ناگاہ سب ستارے مٹ جاتے ہیں اور کہکشاں کا کوئی نشان باقی نہیں بچتا۔

بعینہ حواسِ انسانی جو بے پایاں نظر آتے ہیں اور ان کی وساطت سے حاصل شدہ علم بھی بے پایاں دکھائی پڑتا ہے لیکن علمِ الٰہی کا جب ظہور ہوتا ہے اور انوارِ الٰہی کی کرنیں جب پھوٹتی ہیں اور عارف جب ان کا مشاہدہ کرلیتا ہے تو اپنی ذات کی اور مخلوقات کی نفی کر دیتا ہے اور ذاتِ باری میں گم ہو جاتا ہے اور اس کی تمام حسیات اور عقلیں موج در موج ہاتھ باندھے حاضرِ خدمتِ باری تعالیٰ [لدینا محضرون] ہو جاتی ہیں۔

دوسری تفسیر:

آنچنانکہ عُور اندر آب جست — تا در آب از زخمِ زنبوراں برست
میکُند زنبور بَر بالا طواف — چوں بر آرد سر ندارندش معاف
آب ذکرِ حق و زنبور ایں زماں — ہست یاد ایں فلان و آں فلاں
دم بخور در آبِ ذکر و صبر کُن — تا رہی از فکر و وسواسِ کُہن
بعد ازاں تو طبعِ آں آبِ صفا — خود بگیری جُملگی سر تا بپا
آنچناں کز آب آں زنبورِ شر — میگریزد از توہم گیر دحذر
بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش — کہ بسر ہم طبعِ آبی خواجہ تاش
بس کسانے کز جہاں بگذشتہ اند — لا نیند و در صفات آغشتہ اند
در صفات حق صفات جملہ شاں — ہمچو اختر پیشِ آں خور بے نشاں
گرز قرآں نقل خواہی اے حَروں — خواں جَمِیْعٌ ھم لَدَیْنَا مُحْضَرُ ون
مُحْضَرُوْں معدوم نبوَد نیک بیں — تا بقائے روحہا دانی یقیں
روح محجوب از بقایش در عذاب — روح واصل در بقا پاک از حجاب[40]

ان اشعار میں مولائے روم نے یہ تمثیل بیان فرمائی ہے کہ جیسے ننگے بدن والا آدمی شہد کی مکھیوں کی زد میں ہو اور اس نیت کے ساتھ پانی میں کود جائے کہ ان سے نجات حاصل کرسکے تو جونہی وہ سر باہر نکالے گا وہ اسے معاف نہیں کریں گی۔

اس واسطے اس کی نجات اس میں ہے کہ وہ پانی کے اندر سانس روک کے صبر سے کام لے حتیٰ کہ پانی کے ساتھ پانی ہو جائے۔ تاکہ جیسے شریر شہد کی مکھی پانی سے بھاگتی ہے، تجھ سے بھاگے۔ کیونکہ اب تم پانی کے خواجہ تاش[41] ہو چکے ہوگے۔

بعد از تمثیل فرماتے ہیں کہ پانی حق تعالی کی یاد ہے۔ اور زنبور [کاٹنے والی مکھی] یہ زمانہ بھی ہے ،اور غیر اللہ (معشوقان مجاز) تو ذکرِ حق کے پانی میں غرقاب ہوجا، سانس گھونٹ لے اور صبر کرتاکہ تو فکر اور پرانے وسواس کی بھڑوں سے نجات پالے۔اور یہ بھی سمجھ لو کہ بہت سے لوگ جو دنیا سے چلے گئے ہیں معدوم نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کی صفات میں غرق ہیں۔ اور ان سب کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایسے ہی بے نشان ہیں جیسے ستاروں کی روشنی سورج کے نور میں آخر میں قرآن مجید سے اس کی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ ﴿فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾

یعنی [محضرون] معدوم نہیں ہوتے۔ جان لو کہ ارواح، بقا کی منزل کو پہنچی ہوئی ہوتی ہیں البتہ جو روح بقا باللہ میں واصل بحق ہے وہ تو بقا کی منزل کو پہنچے گی لیکن جسمانیت سے مغلوب روح (روح محجوب) اور بقا کے درمیان حجاب رہے گا اور یہی حجاب اس روح کے لئے گویا عذاب کی صورت ہے۔

قول باری تعالی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [42]

ترجمہ: حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

مومناں معدود لیک ایماں یکے — جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

جاں گرگاں وسگاں ہر یکٔ جداست　　　متحد جانہائے شیرانِ خداست
جمع گفتم جانہاشاں من باسم　　　کاں یکے جاں صد بود نسبت بجسم
ہمچوآں یکٔ نورِ خورشید سَما　　　صد بُود نسبت بصحن خانہا
لیک یکٔ باشد ہمہ انوار شاں　　　چونکہ برگیری تو دیوار از میاں [43]

مولائے روم نے آیت کریمہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾[44] اور ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ کے مشترکہ مضمون کو اس مقام پر بیان فرمایا ہے۔ ان اشعار اور مفصل عنوانِ اشعار میں مولانا وحدت الوجود کے نظریے کو ثابت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ تفریقِ رسل کی نفی سے تفریق ارواح مومنین کی نفی بھی مراد ہے۔ جیسے بظاہر ہر گھر میں سورج کی روشنی الگ الگ دکھائی پڑتی ہے لیکن اگر درمیان سے دیواریں ہٹادی جائیں تو وحدت نورِ شمسی واضح ہوجائے گی۔ بعینہٖ اجسادِ مومنین میں بظاہر دکھائی دینے والا تعدد بھی فقط ظاہر میں ہے، اصل میں یہ تعدد بھی باقی نہیں رہتا۔ جب مؤمنین واصل الی اللہ ہوجاتے ہیں تو یوں کثرت وحدت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اور اسی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مومنین آپس میں متحد اور بھائی بھائی ہیں۔

قول باری تعالی ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [45]

ترجمہ: اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔

بارِ دیگر مابقصہ آمدیم　　　ماازیں قصہ بُروں شدکے شدیم
گر بجہل آییم آں زندانِ اوست　　　ور بعلم آییم آں ایوانِ اُوست
گر بخواب آییم مستانِ ویئیم　　　ور بہ بیداری بدستانِ ویئیم
وَر بگرییم ابرِپُر زرقِ ویئیم　　　وَر بخندیم آں زماں برقِ ویئیم
وَر بخشم وجنگٔ عکسِ قہرِ اُوست　　　وَر بصُلح وعُذر عکسِ مہرِ اُوست
ماکہ ایم اندر جہانِ پیچ پیچ　　　چوں الِف اُوخود کہ دارد ہیچ ہیچ
چوں الِف گر تو مجرّدمی شوی　　　اندریں رہ مردِ مفردمی شوی
جُہد کُن تاترکِ غیرِ حق کُنی　　　دِل ازیں دنیائے فانی بَرکُنی [46]

پہلی تفسیر:

مولائے روم اس آیت کے ذیل میں ان اشعار میں یہ مضمون، تفسیر صوفی کے طور پر بیان فرماتے ہیں کہ اگر آدمی جاہل ہے تو اُس ذات باری کے قید خانے میں مقید ہے اور عالم ہے تو اس کے محل کا مقیم ہے۔

اگر سوگیا ہے تو اس ذاتِ باری کا مست ہے، اگر جاگتا ہے تو اس کا داستان گو ہے۔ اگر رورہا ہے تو اس کا ابرِ صافی ہے۔ اگر مائل بصلح ہے تو اس کا مہر ہے اور غصہ اور جنگٔ میں ہے تو اس کا قہر ہے۔ غرض انسان جہاں بھی اور جس کیفیت میں بھی ہے یہ کیفیات دراصل من جانب اللہ ہیں گویا ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو]۔ یعنی اے انساں! تم جس کیفیت میں بھی ہو ذات باری تعالی کا مظہر ہو۔ کیونکہ اس کا امر تمہارے افعال وکیفیات سے ہر لحظہ جھلک رہا ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر:

یکٔ سَبَدپُر ناں تُرابرفرقِ سَر　　تو ہمی خواہی لَبِ ناں دَر بدر
دَر سرِ خود پیچ وہل خیرہ سَری　　رَودَرِدِل زن چرا بَرہَر دَری
تابزانوئی میانِ آبِ جُو　　غافل ازخود، زین وآں توآبجو
برسرت نان ست پایت اندرآب　　وزعطش وزجوع گشتشتی خراب [47]

ان اشعار کا مفہوم یوں ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات ہر شخص کے ساتھ ہے اور اگر وہ پھر بھی اس کی تلاش اپنے سے ماورا میں کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہو اور صاف چلتی نہر میں کھڑا ہو اور بھوکا پیاسا بھی ہو، اور روٹی پانی کی تلاش میں سر گرداں بھی ہو۔[48]

نتائج تحقیق:

مولانا جلال الدین رومی المعروف مولائے روم کی شہرہ آفاق مثنوی کو عرف عام میں مثنویٔ معنوی کہا جاتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں مثنوی سے وحدت الوجود سے متعلق اشعار مثنوی کو جمع کیا گیا ہے، پھر ان میں موجود اشاری یا عرفانی تفسیر کا آسان نثر میں خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ اس استقرأ سے جو نتائج تحقیق پیش کیے جا سکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

1. مولائے روم مثنوی کے قاری کے لئے تدبر فی القرآن کا خوب سامان بہم کرتے ہیں اور اس کے ذوق کو مہمیز فراہم کرنے کے لئے آیات کریمات میں سے دل کو چھو لینے والے نکات شاعری میں پیش فرماتے ہیں۔
2. یوں تو ان کی ساری ہی شاعری میں کیفیات قلبی کا غلبہ محسوس ہوتا ہے، لیکن جہاں قرآن مجید سے متعلق شعر ارشاد فرماتے ہیں ان میں کیفیات سوا ہوتی ہیں۔
3. انسانی کردار کی اصلاح اور اس کی تربیت کا پہلو مولانا کی پوری مثنوی کا مرکزی ستون محسوس ہوتا ہے۔
4. شرح آیات پر مبنی اشعار کے دورانِ مطالعہ قاری صرف جہانِ معنی میں گم ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ مولائے روم اسے مختلف منازل و نتائج تک پہنچا کر موضوع کا اختتام فرماتے ہیں۔
5. قرآن مجید میں سے انبیاء علیہم السلام کے قصص کو حالات حاضرہ پر منطبق فرمایا ہے، بلکہ قاریٔ مثنوی کو کبھی تو یونس وقت کہہ کر اور جہان فانی کو مچھلی قرار سے کر ذکر حق تعالی کو اس مچھلی کے پیٹ اور اس کے مفسدات سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔ کبھی اسے یوسف حسنی قرار دیا اور جہان فانی کو کنواں بتلایا، پھر احکامات باری تعالی پر صبر کو وہ رسی قرار دیا جو اسے کنویں کی ہولناک تاریکیوں سے نجات دے سکتی ہے، ایسے ہی ایک شعر میں رومی، قاری کو یوں مخاطب کرتے ہیں کہ

چوں سلیماں شو کہ تا دیوان تو　　سنگ برند از پۓ ایوان تو

(سلیمانؑ کی طرح ہو جاؤ تا کہ تمہارے دیو تمہارے ایوان کے لئے پتھر ڈھو کر لائیں)

غرض ایسے بہتیرے مقامات مثنوی میں جا بجا ملتے ہیں جہاں مثنوی کے قاری کو انبیاء و اولیاء کی روحانی وراثت کے تحمل پر آمادہ کرنے کی سعی فرماتے ہیں۔

6. وحدۃ الوجود جیسے مشکل مسئلے کو قرآنی آیات کے حوالے سے جا بجا مختلف انداز سے سہولت کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔

7. بندۂ مومن کو مرکز کائنات کے طور پر قائم کرنے کی کوشش فرماتے دکھائی دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ خوش باطن شخص دراصل کلمۂ اور شجر طیبہ ہے کہ جس کے فیوض مسلسل جاری و ساری رہتے ہیں، نیز یہ کہ وہ دست قدرت ہے جو جہاں میں نمودار ہوتا ہے۔

8. ہمارے محدود علم و مطالعہ کی حد تک مثنوی کی تفسیرات جو مولائے روم کے قلب مصفی پر روحانی واردات کے طور پر وارد ہوئیں، نصوص و اصول دین اور مقاصد شریعت سے متعارض نہیں.

9. مثنوی میں وحدۃ الوجود کے مفہوم کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ توحید الٰہی کے غلبہ، سرور اور کیفت کے دوران میں سالک وجدانی طور پر ذات الٰہی میں ایسا محو و مستغرق ہوتا ہے کہ وجود باری کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ سالک کے قلب و ذہن سے ماسوا اللہ یکسر دور ہو جاتے ہیں اور صرف وجود حق کا ادراک و احساس ہی باقی رہ جاتا ہے۔

10. مخصوص اذکار و اشغال میں سالک جب خوب منہمک ہو جاتا ہے بالخصوص نفی اثبات کے اشغال و وظائف کے دوران وہ کبھی ایسی کیفیت سے عارضی طور پر دوچار ہو جاتا ہے، جو نیند کے مشابہ ہوتی ہے، اس مدہوشی میں وہ گویا خواب کی کیفیت میں انوارات ربانی کے متلاطم سمندر میں تیر رہا ہوتا ہے۔ چہار سو ربانی تجلیات اور انوارات کی موجیں اس کو گھیر لیتی ہیں، وہ مشاہدۂ حق میں محو ہو جاتا ہے کہ اگر یہ حالت منامی یا مدہوشی نہ ہوتی تو وہ کبھی اس کا تحمل نہ کر سکتا (جیسے موسیٰ علیہ السلام طور پر تجلیٔ ربانی کے مشاہدہ کے عدم تحمل سے بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے) یہ قلبی اور روحانی واردات ایسی ہی ہوتی ہیں، جیسے: نبی اکرم ﷺ نے دیدۂ دل سے رب ذوالجلال کی رؤیت فرمائی تھی۔ غرض نور و تجلی الٰہی میں غرق وہ محو اور فنا ہو جاتا ہے اور ماسوا اللہ ہر چیز کو فنا دیکھتا ہے۔

11. مولائے روم فنا فی اللہ کو تمثیلاً یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی اللہ کا ولی ذات باری تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسے ہو جاتی ہے کہ جیسے طرح طرح کی کہکشائیں اور ستاروں کے جھرمٹ رات میں اپنی انفرادیت دکھا رہے ہوتے ہیں لیکن صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ناگاہ سب ستارے مٹ جاتے ہیں اور کہکشاں کا کوئی نشان باقی نہیں بچتا۔ بعینہٖ حواسِ انسانی جو بے پایاں نظر آتے ہیں اور ان کی وساطت سے حاصل شدہ علم بھی بے پایاں دکھائی پڑتا ہے لیکن علمِ الٰہی کا جب ظہور ہوتا ہے اور انوارِ الٰہی کی کرنیں جب پھوٹتی ہیں اور عارف جب ان کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اپنی ذات کی اور مخلوقات کی نفی کر دیتا ہے اور ذاتِ باری میں گم ہو جاتا ہے اور اس کی تمام حسیات اور عقلیں موج در موج ہاتھ باندھے حاضرِ خدمتِ باری تعالیٰ [لدینا محضرون] ہو جاتی ہیں۔

12. وحدت الوجود کو رومی جس انداز سے بیان کرتے ہیں، وہ بہت سادہ اور آسان ہے، آپ اس نظریے کو بندۂ

مؤمن کے وصف کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کے قلب میں نورِ حق جاگزیں ہو جاتا ہے اور یوں بندۂ مؤمن کی حیثیت عام انسان کی سی نہیں رہتی بلکہ وہ کائناتی ہو جاتا ہے، جو بامر الٰہی پوری کائنات کو روشن کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن عاشقِ ربانی ہے، اس کی مثال مجازی عاشق سے سمجھی جا سکتی ہے، جو پانی کا پیالہ نوش جان کرتے ہوئے پیالے میں اپنا نہیں بلکہ اپنے معشوق کا عکس دیکھ رہا ہوتا ہے بلکہ اسے اپنا معشوق شش جہات دکھائی دیتا ہے۔

13. تاہم مولائے روم جہاں یہ فرماتے ہیں کہ نانِ مردہ جب جسدِ زندہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو عینِ جسد ہو کر زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی تاریک ایندھن جب آگ سے ہم آغوش ہو جاتا ہے تو اس کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور آگ کا حصہ بن کر روشن اور روشنی فراہم کرنے والا ہو جاتا ہے۔ نمک کی کان میں خرِ مردار بھی نمک بن جاتا ہے۔ صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) اللہ کا خُم ہے، اس خم میں کئی رنگوں والا جائے گا تو ایک رنگ [اللہ کے رنگ] والا ہو جائے گا اور کبھی کبھی تو اس پر اللہ کا رنگ اتنا غالب ہو جائے گا کہ انا الحق پکار اٹھے گا۔ جیسے آگ کی بھٹی میں جا کر لوہا آتش رنگ ہو جائے تو مجسم آگ اور انگارہ دکھائی دیتا ہے اور بزبانِ حال پکار اٹھے کہ "میں آگ ہوں" کسی کو شبہ ہے تو اپنا ہاتھ میرے اوپر رکھ دے۔ آدمی جب حق تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے تو مسجودِ ملائک ہو جاتا ہے۔

تو ساتھ ہی تنبیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آگ کہاں اور لوہا کہاں، خالقِ حقیقی کہاں اور مخلوقِ فانی کہاں۔ اس بارے میں کلام میں احتیاط سے کام لو اور خاموش ہو جاؤ یعنی خالق و مخلوق میں تشبّہ حقیقی و کلی نہیں بلکہ جزوی اور محض بات سمجھانے کی غرض سے ہے۔

سبحانك اللهم وبحمدك نستغفرك ونتوب إليك. اللهم صل وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى آله الطيبين الطاهرين وأصحابه أجمعين وارحمنا معهم برحمتك يا أرحم الراحمين.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] ۔ ملاحظہ ہو: مدخل الی التصوف الاسلامی، ابو الوفاء الغنیمی تفتازانی، دار الثقافۃ للنشر: ۲۰۱۔

[2] ۔ نفی اثبات، لاالہ الا اللہ کے ذکر کا عنوان ہے کہ لاالہ کی قینچی سے غیر اللہ کے تصور کی نفی کی جائے اور پھر الا اللہ کو دل میں یوں ثابت کیا

جائے کہ اس کے ماسوا کچھ باقی نہ رہے، بقول کسے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

[3] ۔التصوف الشرعی، سید نور، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط: ۳، ۱۴۱۶ھ، ۹۳، ۹۴۔ (باختصار)

[4] ۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل، ابن تیمیہ، لجنتہ التراث العربی۔ ج: ا، ص: ۱۰۰۔

[5] ۔التصوف الشرعی، سید نور، ۹۳-۹۴۔ (باختصار)

[6] ۔مدارج السالکین بین منازل إیاك نعبد وإیاك نستعین، ابن القیم الجوزیۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط: ۳، ۱۴۱۶ھ-: ۱۱۰/۳.

[7] ۔ مجموع الفتاوی، ۳۲۰/۱۰۔

[8] ۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، باب التواضع، رقم الحدیث: ۶۵۰۲، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، ۱۴۲۲ھ-، ۱۰۲/۸۔

[9] ۔ قلتُ: وهذا عدولٌ عن حقِّ الألفاظ، لأنَّ قولَه: «كنتُ سمعَه»، بصيغةِ المتكلِّم، يدُلُّ على أنَّه لم يبق من المتقرِّب بالنوافل إلَّا جسدُه وشبحُه، وصار المتصرِّفُ فيه الحضرةَ الإلهيةَ فحسب، وهو الذي عناه الصوفية بالفناء في الله، أي الانسلاخ عن داوي نفسه، حتى لايكونَ المتصرِّفُ فيه إلَّا هو. وفي الحديث لمعةٌ إلى وَحدَةِ الوجود. وكان مشايخُنا مولعين بتلك المسألة إلى زمن الشاه عبد العزيز. أمَّا أنا، فلستُ بمتشدِّدٍ فيها:
*ومن عَجَبٍ أنِّي أَحِنُّ إليهم ... وأسألُ عنهم دائما وهم معي! *وتبكيهم عيني، وهم في سوادِها، ... وتشتاقُهم روحي، وهم بين أضْلُعي، فيض الباري على صحيح البخاري للكشميري، محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (المتوفى: ۱۳۵۳ھ-)، المحقق: محمد بدر عالم الميرتهي، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت—لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶ھ- - ۲۰۰۵ م: ۶/ ۲۶۹.

[10] ۔ سورۃ الإسراء: ۸۵.

[11] ۔ مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۴۳۔

[12] ۔سورۃ البقرہ، آیت: ۱۱۵

[13] ۔مثنوی، ج: ۶ ص: ۳۴۸-۳۴۹

[14] ۔سورۃ البقرہ، آیت: ۱۳۸

[15] ۔مثنوی، ج: ۱ ص: ۱۰۴-۱۰۵

[16] ۔مثنوی، ج: ۲ ص: ۱۳۶

[17] ۔ جیسے منصور حلاج پکار اٹھے تھے۔

[18] ۔سورۃ البقرہ، آیت: ۱۴۴

[19] ۔مثنوی، ج: ۲ ص: ۳۵۰

[20] ۔سورۃ البقرہ، آیت: ۱۴۶

[21] ۔مثنوی، ج: ۳ ص: ۳۵۰-۳۵۱

[22] ۔سورۃ البقرہ، آیت: ۲۲۹

[23]۔مثنوی، ج:۶، ص:۳۷۸

[24]۔البیہقی، شعب الایمان، ج:۹، ص:۵۲۱

[25]۔سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶۰

[26]۔مثنوی، ج:۵ ص:۱۸-۲۰

[27]۔سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶۸

[28]۔ صحیح مسلم، لامام مسلم، کتاب الاشربہ، ج:۳، ص:۱۶۳۱، دار إحیاء التراث العربی- بیروت

[29]۔سورۃ البقرہ، آیت: ۲۶۱

[30]۔مثنوی، ج:۴ ص:۱۷۳

[31]۔ مثنوی، ج:۵ ص:۱۵۷

[32]۔سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۵

[33]۔مثنوی، ج:۱ ص:۹۷-۹۸

[34]۔سورۃ النور، آیت: ۳۵

[35]۔مثنوی، ج:۶ ص:۲۹۶

[36]۔سورۃ القصص، آیت: ۸۸

[37]۔مثنوی، ج:۱ ص:۳۱۹

[38]۔سورۃ یٰس، آیت: ۳۲

[39]۔مثنوی، ج:۱ ص:۳۷۴

[40]۔مثنوی، ج:۴ ص:۵۴,۵۵

[41]۔ماہر غوطہ خور یا پانی میں رہنے کا خوگر شخص

[42]۔سورۃ الحجرات، آیت: ۱۰

[43]۔مثنوی، ج:۴ ص:۵۱

[44]۔البقرۃ، آیت: ۱۳۶

[45]۔سورۃ الحدید، آیت: ۴

[46]۔مثنوی، ج:۱، ص:۱۷۵

[47]۔مثنوی، ت۵ ص:۱۱۳, ۱۱۴

[48]۔مثنوی، ج:۵ ص:۱۱۳